مولانا مظہر علی اظہر رحمہ

میرا محبوب ساتھی

چودھری افضل حق پولیس کی نوکری کرتے کرتے جلسوں کی رپورٹیں لینے پر مامور ہوئے۔ لدھیانہ کا شہر مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم اور ان کے خاندان کے مذہبی اثرات کی وجہ سے قومی اور مذہبی تحریکوں کا گہوارہ تھا۔ چودھری صاحب نوٹ لینے گئے اور چوٹ کھا کر رہ گئے۔ تقریریں سنتے سنتے دل بھر آیا، بلکہ اُبھر آیا، وردی رُوح کو بھینچنے لگی۔ فرنگیوں کی بیدردی کی داستان نے ترکوں سے ہمدردی پیدا کی۔ نوکری کو خیر باد کہہ کر ۱۹۲۱ء کی تحریک ترکِ موالات میں شامل ہو کر جیل چلے گئے۔

سنہ ۱۹۱۱ء میں میں بٹالہ سے دسویں جماعت کا امتحان پاس کر کے اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہوا۔ ابھی تھوڑے ہی دن گزرے تھے، کہ نئے نئے دوستوں سے ملاقاتیں ہونے لگیں، جن میں سیکنڈ ایئر کلاس کا ایک مشکل میں پھنسا ہوا طالب علم بھی تھا جسے اپنی مشکل بیان کئے بغیر گزارہ نہ تھا۔ تعارف ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ ضلع ہوشیار پور کے قصبہ گڑھ شنکر کے ایک چودھری صاحب ہیں جن کا نام افضل حق ہے، حق تو یہ ہے کہ اس افضل نے اپنی خصوصیات میں افضل ہونے کا ثبوت اپنی اس وقت کی مشکل بیان کرنے میں بھی دیا۔ اس زمانے میں کالج میں داخل ہونیوالوں کے لئے ایک مشکل یہ تھی کہ انگریزی کے ساتھ حساب بھی ایک لازمی مضمون تھا اور کوئی سائنس کی تعلیم حاصل کرنا چاہے یا آرٹ کی تو اسے حساب بلکہ حسابیات کا مضمون لازماً لینا پڑتا تھا۔ ہمارے چودھری صاحب کئی مضامین میں کمال حاصل کر سکتے تھے، لیکن حسابیات سے ان کو شغف نہ تھا۔ سبب دریافت کرنے کا ان کی زندگی میں کبھی خیال نہیں آیا۔ لیکن ان کی ذہانت اور محنت پسندی کے پیش نظر مجھے یہ یقین ہے کہ اگر حساب کے مختلف شعبوں میں ان کو شاگرد کی افتاد طبیعت سمجھنے والے اُستاد ابتداء میں مل جاتے تو وہ سیکنڈ ایئر کلاس میں اپنے آپ کو یوں مصیبت کا شکار نہ پاتے۔ انہوں نے

مجھے کہا کہ تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں حساب خوب آتا ہے ۔ مگر میں کیا کروں ؟ ——؟ اور بہت سے مضمون خوب پڑھ سمجھ سکتا ہوں ۔ لیکن یہ الجبرا ، یہ جیومیٹری ، یہ ٹرگنو میٹری میرے لئے معمّہ ہیں ۔ کوشش کرتا ہوں ۔ لیکن ان کے اُلجھاؤ کو سلجھانا میرے بس کی بات نہیں ۔ امتحان سر پر آ رہا ہے ۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ میں ایف اے کا امتحان اس وقت تک پاس نہیں کر سکوں گا ۔ جب تک حسابیات کا دھندا کالج کی تعلیم کے لئے لازمی ہے ۔

امتحان آیا اور گزر گیا ۔ لوگ کالج میں داخل ہونے کو پھر آ گئے کوئی اس جماعت میں داخل ہوا ۔ اور کوئی بی اے میں داخل ہونے کو آیا ۔ مگر چودھری صاحب واپس نہ آئے ۔ میں نے سمجھ لیا کہ ایف اے میں پاس نہیں ہو سکے مگر دوبارہ امتحان دے کر کامیاب ہونے کی اُمید نہ ہو گی اس لئے وقت اور روپیہ بیکار ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا ۔ ہمارے باہمی تعلقات کوئی زیادہ نہ تھے اور باہم خط و کتابت بھی نہ تھی ۔ اس لئے ہم دونوں نے اپنا اپنا راستہ اختیار کیا ۔

مجھے معلوم نہیں تھا کہ چودھری صاحب نے زندگی گزارنے کے لئے کیا روش اختیار کی ۔ میں ۱۹۱۳ء میں ایف اے کا امتحان پاس کر کے بی اے کے لئے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہو گیا ۔ ۱۹۱۵ء میں بی اے پاس کرنے کے بعد لاء کالج لاہور میں داخل ہوا ۔ میرے والد وکالت کی تعلیم میرے لئے بہت پسند کرتے تھے ۔ وہ میرے لئے ملازمت کے کچھ ایسے خواہاں نہ تھے ۔ اس لئے ۱۹۱۷ء میں لاء کالج سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ۱۹۱۸ء میں وکالت کا کام بٹالہ میں شروع کیا ۔ اسی سال دُنیا کے ایک دُور دراز حصے میں ایک انقلابی کیفیت پیدا ہوئی یعنی پہلی عالمگیر جنگ جو ۱۹۱۴ء سے چل رہی تھی ۔ اس کا خاتمہ ترکی اور جرمنی کی شکست پر ہوا ۔

قسطنطنیہ میں قصرِ خلافت کی شکست کی پریشانیوں اور انگریزی اور فرانسیسی فوجوں کے داخلے نے مسلمانوں کے دلوں میں عجب احساس رنج و الم پیدا کیا اور جب متکبر فاتحین نے ایسی خبروں کی اشاعت بھی مناسب سمجھی کہ خلیفۃ المسلمین کی ایک بہو کو گورے سپاہی سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے باہر لے آئے تو دلوں میں خون کھولنے لگا کہ یہ دن بھی آنے والے تھے ——————

مسلمانوں کی سب سے بڑی بادشاہت (خود مسلمانوں کی) ہندوستانی اور عرب فوجوں کے ہاتھوں جو انگریز دل کے ساتھ ہو کر جنگ کر رہی تھیں ، تباہ و برباد ہوئی ۔ ہندوستانی مسلمانوں اور ان کے ہم خیال رہنماؤں کو ہر حال انگریز کی فتح مطلوب تھی وہ اپنی غلامی کی زنجیروں کو سنہری اور روپہلی بنانے میں مصروف تھے مگر عربوں کے دلوں

میں کرنل لارنس اور برطانوی حکومت نے یہ اُمنگ پیدا کی کہ وہ انگریزوں کا ساتھ دے کر اپنے لئے آزادی کی تلاش کریں۔ چنانچہ شریف حسین اور اسکی اولاد۔ یہی الملۃ العربیۃ ملتِ عربیہ زندہ باد کا نعرہ لگاتی ہوئی ترکوں کے خلاف نبرد آزما ہوئی۔ عراق میں بصرہ اور بغداد کی طرف سے انگریزی فوجیں ہندوستانی سپاہیوں کی آڑ میں آگے بڑھیں۔ عرب فوجیں مکہ اور مدینہ میں ترکوں کو کچلتی ہوئی جزیرہ سینائی کی طرف بڑھیں اور مصر کی جانب سے انگریزی اور ہندوستانی فوجوں سے مل کر فلسطین اور شام پر حملہ آور ہوئیں۔

یہ حالات تھے جنہوں نے میرے اور چودھری افضل حق صاحب کے مابین پھر سے تعلق پیدا کرنے کی راہ نکالی۔ حتیٰ کہ ۱۹۱۸ء میں ہم دونوں غیر متوقع طور پر ایک دوسرے کے سامنے آکھڑے ہوئے میں پٹیالہ سے آیا وہ گوجرانوالہ سے آئے۔ میں وکیل تھا' وہ تھانیدار تھے۔ انہوں نے پولیس کی ملازمت قبول کر لی تھی۔ جناب کی کمزوری پولیس کی سربراہی کے لئے مانع نہ تھی۔ وہ اپنے نئے فرائض انجام دے رہے تھے۔ میں وکالت میں مصروف ہو رہا تھا۔ مگر ۱۹۱۸ء کے دسمبر کے مہینے میں حکومت ہند نے جشنِ فتح منانے کا فیصلہ کیا۔ قادیانی اُمت کے ساتھ کئی مسلمان بھی تھے جو سقوطِ بغداد پر چراغاں کر چکے تھے۔ اب سب انگریز دوست عناصر برطانیہ کی فتح کی خوشی میں جشن منانے کی تیاریاں کرتے تھے کہ علماء کرام نے دِلّی اور دیگر مقامات پر جلسے کر کے اہلِ ملک کو جشنِ فتح کا بائیکاٹ کرنے کی تلقین کی۔ بٹالہ کے مسلمانوں نے تقریر کے لئے جستجو کی تو انکی نظرِ انتخاب مجھ پر پڑی۔ میں نے کبھی تقریر نہ کی تھی مگر حکم ہوا کہ کچھ لکھ کر ہی پڑھ دو۔ اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں —— چنانچہ میں نے لکھ کر چند صفحات کا ایک مضمون پڑھ کر سنایا اور جلسہ بخیر و خوبی اختتام کو پہنچا۔

۱۹۱۹ء کے ماہ اپریل میں ۶، تاریخ کو جلسے کرنے کا حکم کانگریس نے گاندھی جی کی سرکردگی میں دیا۔ میں نے بھی ایک نظم پڑھی۔ امرتسر، لاہور اور دیگر مقامات پر فسادات ہو گئے اور ۱۳ اپریل کو امرتسر میں جلیانوالہ باغ میں گولی چلی۔ بٹالہ اور گورداسپور سے کچھ وکیلوں اور رئیسوں کو پکڑ لیا گیا اور ۲، مئی کو انہیں حراست میں لینے کے بعد لاہور بھیج دیا کہ مارشل لاء میں ہمارا بھی چالان ہوا۔ ۹، فروری ۱۹۱۹ء کو جیل سے رہا کر دیئے گئے کیونکہ مارشل لاء گورداسپور میں نافذ نہ تھا، اور ہمارے خلاف کوئی قابلِ اعتبار شکایت نہ تھی۔

۱۹۲۰ء میں نوکریاں، وکالت اور تعلیم کو چھوڑ کر قومی کام کرنے کا پروگرام مجلس خلافت ہند اور کانگریس

نے شروع کیا ۔ میں وکالت ترک کر کے قومی کام میں مصروف ہوا اور نومبر ۱۹۲۱ء میں سیالکوٹ میں ایک مقدمہ زیر دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری میں ایک تقریر کی بنا پر ماخوذ ہوا ۔ میں نے ایک ہزار کی ضمانت حفظ امن نہ دی اور ایک سال قید کاٹی ۔ ۳۰ نومبر ۱۹۲۲ء کو ایک سال لاہور سنٹرل جیل میں گزار کر رہا ہوا ۔ اور دفتر خلافت میں آیا ——— اسی طرح سے چودھری افضل حق صاحب سے بھی معلوم ہوا کہ وہ پولیس کی نوکری کرتے کرتے جلسوں کی رپورٹیں لینے پر مامور ہوئے ۔ لدھیانہ کا شہر مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم اور ان کے خاندان کے مذہبی اثر سے قومی اور مذہبی تحریکوں کا گہوارہ تھا ۔ چودھری صاحب نوٹ لینے گئے تھے ۔ مگر چوٹ کھا کر رہ گئے ۔ تقریریں سنتے سنتے دل بھر آیا ۔ بلکہ ابھر آیا ۔ دردی روح کو نیچے لگی ۔ فرنگیوں کی بے دردی کی داستان نے ترکوں سے ہمدردی پیدا کی ۔ نوکری کو خیرباد کہہ کر ۱۹۲۱ء کی تحریک ترک موالات میں شامل ہو کر جیل میں گئے ۔ انکی جیل کی کہانی انکی کتاب "دنیا میں دوزخ" کے اندر خوب بیان کی گئی ہے ۔ جسے دلچسپی ہو اس کتاب کو پڑھ کر چودھری صاحب کے درد دل کا حال سن لے ۔

جیل میں چودھری صاحب نے بھوک ہڑتال بھی کر دی ۔ ان کے ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا مگر میری افتاد طبیعت ایسی تھی کہ میں نے بھوک ہڑتال کو کبھی پسند نہ کیا ۔ اس کے باوجود میرے معدے کی حالت ایسی خراب ہوئی کہ میں ۱۹۲۳ء سے لے کر ۱۹۵۱ء تک کبھی اطمینان سے کھانا نہ کھا سکا تکلیف بڑھتی گئی حتیٰ کہ ۱۹۵۱ء میں موت کے دروازہ پر دستک دیتا ہوا بحکم الٰہی واپس لوٹا دیا گیا ہوں ۔

چودھری صاحب کی طبیعت ۱۹۰۰ء میں ہیضہ کا صدمہ جھیل چکی تھی ۔ قبض کی سخت اور دائمی شکایت تھی ۔ بھوک ہڑتال نے اور خرابی کی ——— نتیجہ یہ ہوا کہ آخری دم تک قولنج اور دیگر امراض کا شکار رہے اور زندگی کا بہت سا حصہ معدہ اور دیگر اعضاء کی خرابیوں سے مقابلہ کرنے میں بسر کیا ۔

صحت کی خرابی اور کام کی کٹھنائیاں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھیں ۔ تاہم آپ نے ہمیشہ مردانہ وار مصائب کو دعوت دی اور برطانوی اقتدار کے خلاف جان سے ہاتھ دھو کر معرکہ آرائی کی ۔ پرامن تحریک میں بظاہر آسانیاں نظر آتی ہیں کہ جان کا فوری خوف نہیں ہوتا ۔ لیکن جن کو تجربہ ہے وہ سمجھتے ہیں کہ " لایموت فیہا ولا یحیٰ (نہ اس میں مرتا ہے نہ زندہ رہتا ہے) کی یہ کیفیت جسم انسانی سے زیادہ روح ایمانی کو کس طرح تڑپاتی ہے رزق

کی تنگی میں خطرہ کو دعوت دیکر اہل وعیال کو مصیبت میں ڈالنا اور جیل خانوں میں سرکار کی مہمانی قبول کرنا کوئی آسان کام نہیں لیکن دوستوں کا ایک گروہ تھا جو مشکلات کو ڈھونڈ کر اپنا ساتھی بناتا تھا۔ اور برطانوی اقتدار سے ٹکرانے کے لئے ہر لحظہ ترکیبیں لڑاتا رہتا۔ چودھری صاحب نے اپنی خرابی صحت کے باوجود اس عارضہ میں محنت اور جانفشانی سے کام کیا۔ اور مختلف تحریکوں میں جیل یاترا کو بخوشی قبول کیا۔ ۱۹۳۰ء میں کانگرس نے سول نافرمانی شروع کی تو پنڈت مالویہ نے صدر کانگریس نامزد ہوتے ہی چودھری صاحب کو اپنی ورکنگ کمیٹی میں نامزد کیا۔

چودھری صاحب سے پہلے اجازت نہ لی گئی تھی۔ لیکن دلّی میں بیٹھے ہوئے ہندو اور مسلمان لیڈروں کو امید تھی۔ کہ گو یہ عزت افزائی محض کاغذی ہے اور چودھری صاحب کا کام فقط یہ ہوگا کہ وہ ایک دو سال کی جیل کو جائیں لیکن آپکی جرأت ایمانی اور وطن دوستی سے امید تھی کہ بے اجازت نامزدگی پر بھی آپ ناراض نہیں ہوں گے۔ اور بطیب خاطر جیل جانے پر تیار ہوں گے۔ چنانچہ آپ نے نامزد ہونے کی خبر پاکر بستر باندھا اور دلّی کو گئے اور جاتے ہی گرفتار کر لئے گئے۔ کچھ روز دلّی کے جیل میں پنڈت مالویہ جی اور سردار ولبھ بھائی پٹیل کے ساتھ رہے۔ مگر بعد میں گورکھپور جیل میں پنڈت گوبند ولبھ پنتھ۔ ڈاکٹر رفیع احمد قدوائی اور دیگر احباب کے ساتھ اسیری کے دن گزارتے رہے۔ دسمبر سنہ ۳۰ء میں مجھے ان کی ملاقات کے لئے گورداسپور کا سفر تند و تیز بارش کے زمانے میں کرنا پڑا۔ میرا وہاں کوئی واقف نہ تھا۔ ایک سرائے میں رات بسر کی۔ دن کو ملاقات کے لئے گیا تو جیل کے سپرنٹنڈنٹ نے مجھے قیدیوں کے کمرے میں جاکر ملاقات کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ سب قیدیوں سے دو تین گھنٹے ملاقات ہوتی رہی۔ دن کا کھانا چودھری صاحب کے ساتھ ہی کھایا اور واپس آکر شام کو پھر گاڑی پر سوار ہو کر لکھنؤ سے ہوتا ہوا لاہور پہنچا۔

چودھری صاحب نے لالاجپت رائے کی اس نصیحت کو اپنایا تھا کہ ہمیں چار گھنٹے روز مطالعہ کرنا چاہیئے اور دو گھنٹے روز لکھنا چاہیئے۔ اس لئے وہ ہمیشہ مختلف کتابوں، رسالوں، رپورٹوں وغیرہ کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ اور جیل کے اندر اور باہر کچھ نہ کچھ لکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ اپنے مطالعہ کو وسیع کرتے ہوئے اپنی تعلیمی قابلیت کو ہر روز بہتر بناتے تھے۔ پنجاب کونسل اور اسمبلی میں ان کی تقریریں "مجاہد" اور دوسرے اخباروں میں انکی تحریریں "زندگی" "دنیا میں دوزخ"، محبوبِ خدا اور دیگر تصنیفات میں انکی مفکرانہ تفسیریں انکی مجاہدانہ بے باکی ادیبانہ کاوش اور مصلحانہ نصیحت و فہمائش کی آئینہ دار ہیں۔

۱۹۳۹ء کے زمانہ میں مجھے ان کے ساتھ راولپنڈی جیل میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ جہاں شیخ حسام الدین

صاحب بھی ہمارے ساتھ گئے۔ وہاں چوہدری صاحب نے اُچھوتوں کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور (UNTOUCH HABILTY) یعنی اچھوت ادھار پر انگریزی میں کتاب لکھی جو انکی ترقی ادب پر دال ہے لیکن اس سے بھی زیادہ ان کا وہ عمل مجھے یاد آتا ہے جو انہوں نے کانگریس کے اچھوت اُدھار کے بیچ میں کانگریسیوں کو عملاً شکست دے کر ظاہر کیا۔ انہوں نے اپنی بارک کے مہتر کو کہا کہ آج تم نے میرے ساتھ ایک تھال میں کھانا کھانا ہے۔ ہندو کانگریسی تو جھاڑو مار کر اُچھوتوں سے ہمدردی کا اظہار کرتے تھے۔ مگر چوہدری صاحب نے پُلاؤ پکوا کر پلنے مہتر کو نہلا دُھلا کر اپنے سامنے بٹھا لیا اور ایک طشتری میں چاول لگا کر ایک چمچ خود اُٹھایا اور ایک مہتر بھائی کو دیا۔ مہتر چمچ اُٹھاتا تھا مگر چاولوں تک پہنچانے سے گھبراتا تھا۔ ہندو اور مسلمان اور سکھ اس نقشہ کو دیکھ رہے تھے۔ آخر تاکید کے بعد اس نے چمچ میں چاول بھرے لیکن منہ تک لے جانے سے گھبرایا۔ یہ اسے خود یقین تھا کہ وہ اس قابل نہیں ہے کہ چوہدری صاحب کی طشتری سے چاول لے کر اپنے منہ میں ڈالے۔ مگر دس منٹ کی کشمکش کے بعد آخر چمچ اسکی زبان تک پہنچ گیا اور چاول اس کے حلق سے نیچے اُتر ہی گئے۔ لیکن کانگریسی ہندو میں یہ جان نہ تھی کہ وہ اس طرح اپنی پلیٹ میں صاف ستھرا چمچ استعمال کر کے اپنے مہتر کو اپنے ہمراہ کھانے دے۔ جیل میں اس قدر عجیب چرچا تھا کہ افضل نے اچھوت اُدھار کا حق ادا کر دیا۔

اس آخری قید سے باہر آکر آپ فقط ایک برس زندہ رہے۔ انہیں خرابئ صحت کی بنا پر قبل از وقت رہا کیا گیا۔ میں پوری قید کاٹ کر رہا ہوا۔ مگر مجھے فخر ہے کہ میں اپنے اس محبوب ساتھی کے آخری ایام میں اسکی خدمت کرتا رہا۔ اور انکی حسرت بھری نگاہوں نے ۸ جنوری ۱۹۴۲ء کو جو آخری خاموش وصیت مجھے کی۔ میں نے اسے پورا کرنے کے لئے جو کچھ ہو سکا وہ کیا۔ کچھ کامیابی ہو چکی ہے —— مگر وہ جو کچھ چاہتے تھے۔ وہ ابھی تک مکمل نہیں ہو سکا —— میں نہیں کہہ سکتا کہ ہماری زندگیوں میں ہم کچھ اور خدمت کر سکیں گے یا نہیں —؟ اور ہم روزِ محشر ان کی نگاہوں سے شرمندہ نہ ہوں۔

منقول از روزنامہ آزاد لاہور، ۳ فروری ۱۹۵۷ء

○